مجید امجد کا وجودی تصورِ بے گانگی

محمد اکرم سرا
لیکچرار اردو، گورنمنٹ کالج، شیخوپورہ

MAJEED AMJAD'S CONCEPT OF EXISTENTIAL INDIFFERENCE

Muhammad Akram Sara
Lecturer in Urdu
Government College, Sheikhopura

Abstract

Majeed Amjad is an established poet of modern Urdu. He is recognized by his unique style, diction and dealing of the issues. Though he lived away from the centre of literature and was contended with a simple life, he thought and wrote on issues prevalent in the literary circles. His observation compelled him to raise questions against life, existence and world etc. He developed a sense of indifference in his life which later got permeated in his poetry. This article is a study of Majeed's concept of indifference.

Keywords:
Majeed Amjad, Urdu , Literature, Literary Circles, Poetry, Samuel Beckett, Albert Comus.

وجودیت فلسفیانہ سطح پر انسان کی بقا کے سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش ہے۔ایک فرد جب اپنی ذات کے اثبات کی جڑ تلاشنے نکلتا ہے تو مخمصے میں کھو جاتا ہے۔وہ ایک طرح سے دھند میں کھڑا ہوا یہ سوال کرتا ہے کہ وہ کون ہے؟اس کا خالق کون ہے اور اسے اس دنیا میں کون لایا ہے؟ یہاں اس کا مقصد کیا ہے؟ جب اسے مرجانا ہے تو اس کی تخلیق کا باعث کیا ہے؟اس کے ذاتی فیصلوں کی کیا حیثیت ہے؟انسان اور فطرت میں کیا قدر مشترک ہے؟ یہ اعمال و افعال کیا ہیں؟ زندگی میں تضادات کی کیا حیثیت ہے؟مقدر اور قسمت کیا ہیں؟ گناہ و ثواب کیا ہے؟ تنہائی انسان کا مقدر کیوں ہے؟ایک فرد کو جب ان سوالوں کے تسلی بخش جواب نہیں ملتے تو وہ بے معنویت کا شکار ہو کر اس دنیا پر سوال اٹھاتا ہے۔اسے یہ دنیا کبھی ٹوٹی پھوٹی نظر آتی ہے، کبھی لایعنی اور کبھی منتشر دکھائی دیتی ہے۔کبھی وہ خیال کرتا ہے کہ اسے دنیا میں پھینک دیا گیا ہے۔اور وہ بطور جبر اسی حالت میں گرفتار رہے گا۔(جیسا کہ سارتر کے ڈرامے No Exit میں دکھایا گیا ہے)۔اس انکشاف پر یہ دنیا اسے لایعنی نظر آتی ہے اس کیفیت سے باہر نکلنے کے لیے کبھی وہ خدا کو آوازیں دیتا ہے (سیموئل بکٹ کا ڈرامہ Waiting for Godot اس تصور کو سامنے لاتا ہے) کبھی وہ تاریخ کے اوراق پلٹتا ہے۔لیکن کہیں پر بھی اپنا اثبات نہیں پاتا۔ (جیسا کہ The Waste Land میں دکھایا گیا ہے۔)وہ جتنا اس کائنات میں اپنے لیے جگہ ڈھونڈتا ہے اتنا ہی لایعنیت کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔وہ جو کائناتی لایعنیت اور انسانی لایعنیت کے گھٹن سے نئی معنویت کی تلاش میں نکلا تھا وہ خود لایعنیت کا شکار ہو کر تنہائی کے خوفناک حصار میں آجاتا ہے۔ وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ یہ تنہائی اس کی وہ ازلی و ابدی بے گانگی ہے جس سے کسی طور چھٹکارا ممکن نہیں۔ ارنسٹ مینڈل لکھتے ہیں:

> Existentialism,for example,teaches that alienation is built into the very nature of man as an enigmatic cast- away on the planet. Whatever he may do to overcome that state, born of an awareness of the meaninglessness of existence,he can find no exit from his fate."(۱)

ایک فرد جب اپنے روبرو ہوتا ہے تو اسے خود میں اور اس کائنات میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔وہ سوچتا ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی مابعد نہیں تو اس کے ہاں "اجنبیت جنم لیتی ہے جو ایک لایعنیت ہے"(۲) ایسے عالم میں سارتر زندگی کو چپکنے والی غلاظت قرار دیتا ہے جبکہ البرٹ کامیو زندگی کو سیسفس کا عمل کہتا ہے جس کی جدوجہد کا حاصل لایعنی پن ہے جو لغویت سے بھرپور ہے۔

وجودیت کی طرف سے اٹھائے گئے ان سوالوں کا جواب لینے جب ہم مجید امجد کی شعری کائنات میں داخل ہوتے ہیں تو مجید امجد کی تین نظمیں ہماری راہنمائی کرتی ہیں۔ان تین نظموں میں وجودی افکار کا اظہار بہت خوبصورتی سے ہوا ہے۔اس ضمن میں پہلی نظم "آٹوگراف" ہے۔اس نظم کے آخری بند میں مجید امجد تشخصِ ذات، تعینِ ذات اور انسانی آزادی کے تصور کے حوالے سے یوں گویا ہوتے ہیں:

میں اجنبی، میں بے نشاں
میں پا بہ گل
نہ رفعتِ مقام ہے، نہ شہرتِ دوام ہے
یہ لوحِ دل، یہ لوحِ دم
نہ اس پہ کوئی نقش ہے، نہ اس پہ کوئی نام ہے(۳)

وجودی یہ کہتے ہیں کہ انسان اور اس کائنات میں کوئی قدر مشترک نہیں، انسان کو اس دنیا میں پھینک دیا گیا ہے لہٰذا اس کی جد جہد لاحاصل اور بے ثمر ہے اور اس کی زندگی کا کوئی مابعد نہیں ہے۔ مجید امجد کی نظم کے اس حصے میں وجودی نقطہ نظر کے پانچ حوالے سامنے آتے ہیں اول: وہ یہاں اجنبی ہے، یعنی وہ دنیا میں اور خود میں کوئی ہم آہنگی نہیں پاتا دوم: وہ بے نشان ہے یعنی اس کی زندگی کا ماحاصل کچھ نہیں ہے اور اسے اس دنیا میں پھینک دیا گیا ہے۔سوم: وہ پا بہ گل ہے یعنی اسے ایک دن مر جانا ہے اور یہیں اس دنیا میں ہی رہ جانا ہے۔یہ مرحلہ فرد کی آزادی کی حدود کو متعین کرتا ہے۔چہارم: رفعتِ مقام نہ ملنا اور پنجم: شہرتِ دوام کا حامل نہ ہونا ہے۔اب ایک فرد جو خود پا بہ گل یعنی گرفتار ہے تو وہ رفعتِ مقام اور شہرتِ دوام کا حامل کیونکر ہو سکتا ہے۔اس عدمِ تسلیمیت کے باعث اس کے اندر لایعنیت پیدا ہوتی ہے جس کے کارن اس کی لوحِ دل پر کوئی نقش اور نام کندہ نہیں ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ اس اجنبی کی عمر بھر کی تگ و تاز کا صلہ لاحاصلی کے سوا کچھ نہیں ہے۔زندگی کی یہ بے معنویت اسے کردار و عمل سے بے گانہ بنا دیتی ہے اور وہ مجہول زندگی جینے جانے پر مجبور جاتا ہے۔ڈاکٹر شاہین مفتی لکھتی ہیں:

"شاعر کا المیہ یہ ہے کہ وہ عدمِ تسلیمیت کے باعث کائنات میں اجنبی بھی ہے، کائنات سے بندھا ہوا بھی۔وہ ہونے اور کچھ نہ ہونے کی ایک ایسی تمثیل ہے جو خارجی دنیا میں اپنے حصے کا انعام و اکرام، توجہ، مہربانی، محبت، آسائش اور اپنے وجود کی ناگزیریت کے حوالے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔لیکن مایوسی کے علاوہ اس کا

مقدر کچھ نہیں ۔خارجی جبر اور نقصان سے گھبرا کر اندر کی دنیا میں جھانکتا ہے اور
یہاں بھی بے نشانی اس کا استقبال کرتی ہے۔" (۴)

مجید امجد کے ہاں وجودی حوالے کی حامل دوسری اہم نظم "نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ کوئی اقلیم طرب" نظم آٹوگراف کا اجنبی اور بے نشاں فرد یہاں آ کر بے سرو سامانی کا شکار ہو جاتا ہے ۔یہ بے سرو سامانی کی حالت اس کے اندر لایعنی خیالات کو جنم دیتی ہے ۔جس کے کارن اس کے اندر بددلی ، لاتعلقی ،خود تحقیری اور ایذا پسندی پیدا ہو جاتی ہے ۔یہ کائنات انسان کے لیے ایک ایسا اجنبیت کدہ بن کر رہ جاتی ہے جس میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے ۔تب وہ سادیت پسند بن کر محض اپنی کونج کا تماشائی بن جاتا ہے بے معنویت، خود تضحیکی اور بے مقامیت کی حامل نظم کے اشعار دیکھئے:

کیا اسی ساعتِ محرومیِ غم ناب کی خاطر میں نے
وسعتِ وادیِ ایام میں کانٹوں کے قدم چومے تھے؟
لاکھوں دنیاؤں کے لٹتے ہوئے کھلیانوں سے
میرا حصہ یہی میری تہی دامانی ہے؟
کیا اسی واسطے ماضی کے بختستانوں سے اک موجِ حیات
اپنے ہمراہ لئے ناچتی، گاتی ہوئی صدیوں کی بارات
آ کے اس ساحلِ گل پوش سے ٹکرائی ہے
کیا یہی مقصدِ صد عالمِ امکانی ہے؟
کہ جب اس سطحِ خروشندہ پہ ڈھونڈوں میں کوئی رختِ طرب
کوئی مکھ، کوئی نگہ، کوئی تبسم، کوئی جینے کا سبب
آسمانوں سے صدا آئے "تو کیا ڈھونڈتا ہے
تیرا ساماں تو یہی بے سرو سامانی ہے" (۵)

تہی دامانی اور بے سرو سامانی انسان کے اندر لاحاصلی کا کرب پیدا کرتی ہے ۔چناں چہ کرب کی اس کیفیت میں وہ خدا کی ذات پر سوال کھڑے کرتا ہے اپنی بے سرو سامانی کے ہمراہ وہ صد پردہ افلاک میں گھرے دھندلکوں سے ضیا پانے کا متمنی ہوتا ہے مگر یہاں اسے اپنے خوابوں کا کوئی روماں نہیں ملتا۔وہ اپنی ذات کی لاحاصلی میں معنی بھرنے کے لیے آسمانوں کو آوازیں دیتا ہے مگر اسے وہاں

سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ یوں وہ اپنی ہی آواز کی بازیافت کا تمنائی بن جاتا ہے:

اتنے زخموں سے سجا کر دلِ بے تاب کی پژمردہ جبیں
کس نے بھیجا ہمیں اس جلتے ہوئے دیس میں؟ معلوم نہیں
یوں نہ اپنے دمِ امید کو بہلائے کوئی
کون کہتا ہے گلستاں میں بہار آئی ہے
کوئی غائت، کوئی منزل، کوئی حاصل سفرِ ہستی کا ۔۔۔۔(۶)

شاعر پر جب یہ انکشاف ہو جاتا ہے کہ وہ اس خرابے میں اجنبی، بے نشاں، تہی دامن، بے سروساماں ہے اور اس سفرِ ہستی کا حاصل کچھ نہیں ہے تو وہ لایعنیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ زندگی کی یہ لایعنیت ایک نہ ختم ہونے والی بے گانگی کی حالت ہے جس میں ایک فرد اپنی موت کے امکان کو تلاش کرتا ہے۔ موت کا ادراک اس کے اندر فنا کا تصور اجاگر کرتا ہے اس طرح ایک فرد عمر بھر امکانی موت سے نبرد آزما رہتا ہے۔(۷) اس مرحلے پر وجودیت یہ کہتی ہے کہ زندگی کی اس لغویت سے باہر آنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے انسان کا باشعور اختیاری عمل، یعنی ایک فرد "اپنی ذات کی ترقی کا تعین اپنی خواہش کے مطابق کرتا ہے "(۸) سارتر کہتا ہے " آدمی اس کے علاوہ کچھ نہیں جو کچھ کہ اپنے آپ کو بناتا ہے "(۹) کامیو کا خیال ہے کہ زندگی کی لغویت کو انسان اپنے عمل اور جدوجہد سے ہی گوارا بنا سکتا ہے۔ (ناول اجنبی کا ہیرو اس کی بہترین مثال ہے) چناں چہ مجید امجد بھی لمحہ موجود کو غنیمت جان کر اس سے زیادہ سے زیادہ حظ اٹھانے کا متمنی بن جاتا ہے۔ اس کے نزدیک زندگی کی لایعنیت کا یہی کرارا جواب ہے۔ مجید امجد کی نظم "امروز" زندگی کے اس رخ کو سامنے لاتی ہے۔ اس میں مجید امجد فردا کے خیال سے نکل کر صرف امروز کا ثنا خواں بن جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جب وہ رفعتِ مقام کا حامل نہیں ہے اور اسے کسی قسم کا دوام بھی حاصل نہیں ہے تو اس کے پاس صرف لمحہ موجود ہی ہے۔ لہٰذا وہ صرف امروز ہی کو زندگی کا حاصل جانتا ہے۔ یہی مجید امجد کا شعوری عمل ہے۔ جس کا اظہار ان اشعار میں ہوا ہے:

زمانے کی پھیلی ہوئی بے کراں وسعتوں میں یہ دو چار لمحوں کی میعاد
طلوع و غروب، مہ و مہر کے جاودانی تسلسل کی دو چار کڑیاں
یہ کچھ تھرتھراتے اجالوں کا رومال، یہ کچھ سنسناتے اندھیروں کا قصہ

یہ جو کچھ کہ میرے زمانے میں ہے، اور یہ جو کچھ کہ اس کے زمانے میں میں ہوں
یہی میرا حصہ ازل سے ابد کے خزانوں سے ہے، بس یہی میرا حصہ (۱۰)

بے گانگی کا مسئلہ ان دنوں جدید آدمی کی صورت میں ایک تشویش ناک حد تک پہنچ چکا ہے۔ اس کا دائرہ کار ادب، سوشیالوجی اور فلسفے سے ہوتا ہوا سماجی سرگرمیوں تک پھیل گیا ہے۔ جدید آدمی تنہائی کا شکار ہے، اس کی مثال البرٹ کامیو کے ناول The Stranger کے اس مرکزی کردار جیسی ہے جو بیگانگی ذات کا شکار ہو کر اپنے اطراف سے بیگانہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح کی تنہائی اور بے گانگی، بے رحم دنیا اور تقدیر کی ستم ظریفی کے طور پر دوسرے ہم عصر تخلیق کاروں بیکٹ، ائینسکو اور ژاں ژینے کے ڈراموں میں پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ کرداروں کو ان کے داخلی تضادات کے ساتھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ مکمل تنہائی کی تصویر نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں مجید امجد کے ساتھ ساتھ میراجی، راشد، زاہد ڈار، انیس ناگی، منیر نیازی، وزیر آغا اور جون ایلیا کی شاعری میں جدید دنیا کی تنہائی اور بے گانگی کا پوری طرح اظہار ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) Ernest Mandel, G. Novack," The Marxist Theory of Alientantion" USA: Pathfinder, 1976,P6

(۲) انیس ناگی، "تشکیلات"، لاہور: جمالیات، 2006ص 278

(۳) مجید امجد، "کلیاتِ مجید امجد"، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2006ص 156

(۴) شاہین مفتی، ڈاکٹر، "جدید اردو نظم میں وجودیت"، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2001ص 238

(۵) مجید امجد، "کلیاتِ مجید امجد"، ایضاً ص 290,291

(۶) مجید امجد، "کلیاتِ مجید امجد"، ایضاً 292,294

(۷) افتخار بیگ، ڈاکٹر، "وجودیت"، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، 2011ص 108

(۸) Judy Pearsall(Edited) The Concise Oxford Dictionary 10th.ed., London: 12 Oxford University Press, 1999,P499

(۹) Sartre,Jean Paul,"Existentialism is a Humanism",USA:World Publishing- Company,1956,P174

(۱۰) مجید امجد، "کلیاتِ مجید امجد"، ایضاً ص 100,101